



# یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش بول

مولانا ذاکر محمد شرف صوفی جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز

5-6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور

042-37115771-2, 0321-9407699

# مولانا مفتی محمد اشرف آصف جلالی

باتنی  
ادارہ خیرات و مستقیم  
پاکستان

نمبر 11

کامیاب اور اچھے موضوعات پر لکھی



S.M

5-6 مرکز لائبریری وین مارکیٹ لاہور  
0315 / 0321 - 9407689, 0321-8654956

مکتبہ اسلامیہ پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



قرآن و سنت کے پیغام کو عام کرنے

دین اسلام کی ترویج و اشاعت کیلئے

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کیلئے

کنز الیلمامہ فک اسلام اہل ہائوم

مولانا مفتی ڈاکٹر محمد شرف اصفیٰ جلالی

کے تمام کتب و رسائل عوام الناس میں تقسیم کرنے کیلئے

50% رعایت پر حاصل کریں

بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے رابطہ فرمائیں

پبلی کیشنز  
صلیٰ علیہ وسلم  
5-6 مرکز الاولیاء  
دریہ مارکیٹ لاہور

0315,0321-9407699

0321-8654956

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَوْلِيَاءِ أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ -  
أَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا  
وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(القرآن الكريم، سورة البقرة، رقم السورة: 2، رقم الآية: 104)

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ الْأَمِينُ  
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

الْصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ  
وَعَلَى آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِي يَا حَبِيبَ اللَّهِ  
مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ و اعظم شانہ و اتم برہانہ کی حمد و ثنا اور حضور اکرمؐ، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب و دلیر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد وارثان منبر و محراب، ارباب فکر و دانش، اصحاب محبت و مودت، حاملین عقیدہ اہلسنت، نہایت ہی محترم و معزز حضرات و خواتین!

رب ذوالجلال کے فضل و توفیق سے ”ادارہ صراط مستقیم“ پاکستان کے زیر اہتمام ”فہم دین کوثر“ میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

## ﴿یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!﴾

ایمان بالرسالت عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے، اس سلسلہ میں ہمارے متعدد موضوعات پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے شائع ہو کر دور دور تک پہنچ چکے ہیں، جن میں بطور خاص ”منصب نبوت اور عقیدہ مؤمن“ ”شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق“ اور ”شان رسالت کی یکتائی“ ہیں، آج اس سلسلہ کا یہ چوتھا موضوع ہے کہ ”یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!“۔

ایمان بالرسالت کی اہمیت کے پیش نظر جن حالات سے امت مسلمہ گزر رہی ہے اور باطل پرستوں کی طرف سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کا سلسلہ خاکوں کی شکل میں معاذ اللہ جاری رکھا جا رہا ہے، یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے، اس تناظر میں بالخصوص اسلام کے اندرونی محاذ پر شان رسالت سے متعلق کچھ لوگوں کے گرے ہوئے انداز کی وجہ سے آج امت مسلمہ کو شر مساری بھی ہے اور پریشانی بھی،

تخذیر الناس، حفظ الایمان بتقویۃ الایمان وغیرہم جیسی کتابوں میں جو رسالتیں کی گئی تھیں وہ ایک بہت بڑا المیہ ہے، اس پر مستزاد کچھ موجودہ لٹریچر ہیں، گزشتہ سال کئبرات میں ایسی حرکت کی گئی، ابھی جہلم میں ایک شخص نے ایسی کتاب لکھی، شیخوپورہ میں ایسا واقعہ پیش آیا، کوچرہ، فیصل آباد کے اندر بھی ایک المناک واقعہ ناموس رسالت کے سلسلہ میں رونما ہوا، تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ماحول میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو یوں اجاگر کیا جائے کہ اس مسئلے کی جو اکت ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہر انسان جب گفتگو کر رہا ہو تو سوچ کے، سمجھ کے اور شان رسالت کا جو تقدس اور اس کی جو رفعت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کرے، گفتگو کا انداز ایسا نہ ہو کہ جیسے بڑے بھائی کے بارے میں بات کی جا رہی ہے یا گاؤں کے چودھری کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔ بلکہ گفتگو سے پہلے انسان کے حواس پوری طرح بیدار ہوں اور اس پر رعب طاری ہو کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔

### شان رسالت کا تقدس

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ..... اٰیۃِ اِیۡمَانِ وَالْوَا

لَا تَقُولُوْا رَاۤعِنَا ..... رَاۤعِنَا كَبُو،

وَقُولُوْا اُنْظُرْنَا ..... اور یوں عرض کریں کہ ہم پر نظر کرم رکھیں،

وَاَسْمَعُوْا ..... اور پہلے ہی غور سے سنو،

وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ..... اور کفار کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک

عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن مجید کا یہ مقام بالخصوص قیامت تک کے لوگوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ ”یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!“۔

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا ..... تم راعنا نہ کہو اور تم انظرنا کہو کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر نظر کرم فرماؤ۔

### شان نزول: پہلی تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی حاصل کرتے تھے، تو وہ کہتے کہ:

رَاعِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری راہنمائی رکھیں۔

یعنی آپ قرآن مجید کی آیات پڑھ رہے ہیں، تو ہمیں بھی آپ ساتھ لے کے چلیں، ہم سن لیں، یاد کر لیں اور لکھ لیں۔ یہ ان کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست ہوتی تھی۔

مگر دوسری طرف عبرانی زبان میں اسی لفظ کو نا زیبا الفاظ کے زمرے میں شمار کیا جاتا اور گالی کے طور پر اس کا استعمال ہوتا تھا، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عربی زبان کے لحاظ سے اس کا استعمال کرتے تھے اور صحیح معنی میں کرتے تھے، لیکن یہود کو موقع مل گیا، انہوں نے اپنا بغض اسی لفظ کی آڑ میں ظاہر کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی اس لفظ کا بولنا حرام کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا ..... تم ”راعنا“ نہ کہو۔

اگرچہ تم تو اچھی نیت سے کہتے ہو لیکن دوسرے لوگ اسی لفظ سے بری سوچ کی گنجائش پیدا کر رہے ہیں، تو جب انہیں اس سے گنجائش ملتی ہے تو تمہارے لیے بھی جائز نہیں کہ تم یہ لفظ بولو، بلکہ تم یہ لفظ بولنا بند کر دو۔

چونکہ ناموس رسالت کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر کسی لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنی درست ہو اور دوسرا معنی شان رسالت کے لائق نہ ہو تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال متروک ہو جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اس لفظ کی آڑ میں کوئی گستاخ مذموم ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔

### دوسری تفسیر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رعایت کے لحاظ سے راعنا کہتے تھے لیکن یہود نے اس کو کھینچ کے پڑھنا شروع کر دیا کہ: راعینا یعنی راعی چہ وا ہے کو کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! راعنا، آپ ہمارا لحاظ رکھیے، ہماری رعایت فرمائیے۔ وہ یہ درخواست کرتے تھے لیکن یہود (معاذ اللہ) راعینا کہہ کے اپنی طرف سے بغض اور گندی سوچ کا اظہار کرتے تھے۔

رَاعِيْ غَنَصْنَا: ہماری بکریوں کو چرانے والا۔

تو معاذ اللہ جب یہود نے راعینا کہنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو اور قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اس لفظ کو بری سوچ والے لوگ استعمال کر رہے ہیں تو تم اس کا استعمال ہی ترک کر دو تاکہ کسی طرح اس کو بول کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا موقع نہ مل سکے۔



## تیسری تفسیر

راعنا کو اگر باب مفاعلہ سے مشتق بنائیں تو پھر اس میں جامین ہوتے ہیں، مثال کے طور پر لفظ مصافحہ ہے تو مصافحہ تب بنتا ہے جب دو بندے آپس میں ہاتھ ملاتے ہیں، ایک آدمی کے ہاتھ کو مصافحہ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

تو جہاں بھی باب مفاعلہ ہوتا ہے وہاں جامین کا ہونا ضروری ہے، اگر وہاں جامین نہیں ہوں گے تو باب مفاعلہ نہیں بنے گا۔

تو راعنا میں باب مفاعلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جامین ہیں اور پھر ان کی آپس میں مساوات سمجھی جا رہی تھی، مطلب کیا بنا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمارا لحاظ کرو اور ہم آپ کا لحاظ کرتے ہیں یعنی اس لفظ سے یہ معنی نکل سکتا تھا، اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی نیت نہیں تھی لیکن اس میں یہ گنجائش بن رہی تھی اور راعنا باب مفاعلہ سے ہونے کی وجہ سے مساوات کا پہلو نکل رہا تھا کہ آقا اور غلام دونوں برابر ہو رہے ہیں، مرتبے اور شان کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سب سے اونچی شان عطا فرمائی ہے، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس مساوات کی نفی کے لیے جو ایک نبی اور امتی کے درمیان بن رہی تھی، راعنا کہنا ناجائز قرار دے دیا تاکہ کہیں ایسا تصور بھی پیدا نہ ہو کہ امتی یہ کہے کہ میں نبی جیسا ہوں اور نبی میرے جیسے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کو بند کرنے کے لیے راعنا کا استعمال بھی ناجائز فرما دیا۔

## چوتھی تفسیر

جس وقت ایک شخص کسی سے کوئی بات کرنا چاہے تو اس کے لحاظ سے ایک آرڈر ہے اور ایک التماس ہے، جبکہ آرڈر میں اور التماس میں فرق ہے، اگرچہ لفظ ایک جیسے ہیں۔

ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آپ میرا یہ کام کر دیں، یہ کسی بڑے سے وہ اپنی اپیل کر رہا ہوتا ہے، دوسرا وہ کہہ چاہتا ہے کہ تم یہ کام کر دو تو وہ بطور آرڈر کہہ رہا ہے، ان دونوں میں فرق ہے، اپیل اور ہوتی ہے اور آرڈر اور ہوتا ہے۔

تو راعنا میں ایک پہلو یہ ہے کہ اس سے آرڈر والا معنی نکل رہا تھا کہ راعنا ایک امتی بولے اور اس سے اخذ یہ ہو کہ وہ چھوٹا ہو کر بڑی ذات کو حکم دے رہا ہے، اس صیغہ کے لحاظ سے وہم پیدا ہو رہا تھا اگرچہ پوچھنے والے صحابہ کرام کی یہ نیت نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کا ادب سیکھانے کے لیے اور شان رسالت کے متعلق گفتگو کے آداب بتانے کے لیے ان پر راعنا کا لفظ ناجائز قرار دے دیا کہ اس لفظ کو ہزار بار اچھی نیت سے بھی بولو مگر چونکہ اس میں وہم پیدا ہو رہا ہے، اس واسطے قیامت تک کے مسلمانوں پر اس کا بولنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

## پانچویں تفسیر

راعنا کا معنی ہے: بقول راعنا کہ رعونت والی بات نہ کرو یعنی جس بات میں تکبر ہو۔ اللہ کے پیغمبر سے کوئی اکڑ کر نہ بولے، کوئی رعونت سے نہ بولے، اس انداز سے نہ بولے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ عاجزی کے سوا بول رہا ہے۔

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا ..... میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت نرم نرم اور عاجزی کے انداز میں گفتگو کرو اور کوئی شخص تکبر کے انداز میں گفتگو نہ کرے۔

(التفسیر الکبیر، سورۃ البقرۃ، رقم السورۃ: 2، رقم الآیۃ: 104، ج: 3، ص: 634)

یہ قرآن مجید کی تعلیمات کا اثر ہے کہ جس وقت حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے سفیر بن کے آئے تھے اور حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام کو بیٹھ دیکھا تھا تو جن پانچ باتوں سے وہ زیادہ متاثر ہوئے تھے تو ان میں سے ایک بات یہ بیان کی تھی کہ:

إِذَا تَكَلَّمْ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ ..... جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے ہیں تو یہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بولتے وقت یہ پابندی ضرور کرتے ہیں کہ ہماری آواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے برابر نہ ہونے پائے، ہماری آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب: الشروط فی الجہاد و المصالحة مع

أهل الحرب و كتابة الشروط، ج: 2، ص: 974، رقم الحديث: 2581)

تو یہ قرآن مجید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ یہ نصاب صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نہیں تھا، یہ تابعین کا بھی نصاب تھا، یہ تبع تابعین کا بھی نصاب تھا، یہ بعد کے لوگوں کا بھی تھا، یہ آج کے مسلمانوں کا بھی نصاب ہے اور قیامت تک کے ایمان والوں کا یہ ہی نصاب رہے گا۔

اس واسطے اسی آیت کو ہم موضوع بناتے ہوئے آج اپنی گفتگو کو آگے بڑھا رہے ہیں کہ آج ایک انسان جہاں بیٹھ کر کوئی شان رسالت کے متعلق وضاحت کر رہا

ہے، کوئی بات اور تبصرہ کر رہا ہے، کسی طرح وہ کوئی کلام کر رہا ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ:

ادب گاہ بیست زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

میں جس دربار کے بارے میں بات کر رہا ہوں وہ عرش سے نازک تر دربار ہے اور وہاں پر لوگ اپنی سانس پر بھی پابندی لگاتے ہیں کہ کہیں سانس بھی بلند طریقے سے نہ چلنے پائے۔

یہ قرآن مجید کی اس آیت کی دعوت ہے کہ: یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

### بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں

اس سلسلہ میں تفصیل سے پہلے اس اجمال کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَوْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! ..... اے حضرت عباس رضی

اللہ عنہ! آپ بڑے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں؟

پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ عمر کے لحاظ سے کون بڑا ہے، یہ عمومی روئین میں جملہ بولا جاتا ہے، کوئی بندہ اپنے والد کے دوست سے پوچھ لیتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے بوجہ بڑے ہیں؟ اور چچا کے ہم عصر سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے چچا بڑے ہیں۔

تو اسی انداز سے کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس

رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھ لیا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَوْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! ..... آپ بڑے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں۔

اب غور کرنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب کیا دیا، فرمانے لگے کہ یہ شان رسالت سے ذرا ہوش سے بول!

هُوَ أَكْبَرُ وَأَنَا وَلِدْتُ قَبْلَهُ ..... بڑے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ولادت میری پہلے ہوئی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، العباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج: 3، ص: 66)  
یعنی وہ لفظ جو عمومی طور پر بولا جاتا ہے، کہا جاسکتا تھا کہ میں آپ سے دو سال بڑا ہوں، یا میں اتنے سال بڑا ہوں، یہ لفظ بولا جاسکتا تھا مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہ لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ کہنے لگے کہ:

بڑے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن میں صرف پیدا پہلے ہو گیا تھا، میری ولادت پہلے ہوئی ہے، میری عمر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے مگر اقویٰ کا لفظ جب بولنا ہے تو اس میں یا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میرے محبوب ہر حال میں اکبر ہیں، وہ مجھ سے بڑے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے، یہ سوچنا پڑے گا، آج تھڑے پہ بیٹھے ہوئے مسلمان کو بھی تو دیکھنا پڑے گا، جو مسلمان اور امتی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے لحاظ سے یوں باتیں کرتا ہے کہ جیسے بڑے بھائی اور عام انسان کے بارے میں بول رہا ہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات وہ ذات ہے کہ جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ یہ تو میرے باپ کی مثل ہیں:

عَمُّ الرَّجُلِ صِنُوْ اَبِيْہ ..... بندے کا چچا اس کا باپ ہی ہوتا ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب: مناقب العباس بن عبد المطلب رضی اللہ

عنه، ج: 5، ص: 652، رقم الحدیث: 3758)

وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ جن کو رسول اکرم ﷺ بلائیں تو باپ کہہ کے بلائیں:

رُدُّوْا اِلَیَّ اَبِیْ عَبَّاسٍ ..... تم میرے بابا جی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کے لے آؤ۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باپ کہہ کے بلائیں مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اپنا باپ کہیں، اس کے باوجود کہ مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم باپ کہہ رہے ہیں مگر میں منصب نبوت کا ادب تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ جب میں عمر میں بڑا بھی ہوں لیکن میں اپنے آپ کو بڑا نہیں کہوں گا، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ:

وَ اَنَا وُلِدْتُ قَبْلَہ ..... میں پیدا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو گیا ہوں، لیکن

هُوَ اَكْبَرُ ..... جہاں تک بڑے ہونے کا معاملہ ہے تو وہ میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین حاصل کیا، قرآن مجید کے مخاطب بنے اور جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا اور ان کی اتنی عظیم شان ہے۔

ایک طرف اونچے قد والے عظیم المرتبت انسان اور دوسری طرف ہماری طرح کے بالکل عام قسم کے لوگ ان کی گفتگو میں یہ ڈیفرنس (Difference) کیوں آگیا ہے، ادھر وہ اتنی عظمت سے بات کرتے ہیں، ادھر لوگ بالکل حطی سا انسان بنا کے پیش کرتے ہیں۔

یہ درمیان میں فرق عقیدے کی عظمت کا فرق پڑ گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذعان میں جو شان رسالت کا تقدس تھا اس سے لوگوں کی سوچ کا مقام بالکل دور ہو گیا ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج بھی ہم اہل سنت و جماعت کو مقام نبوت کے متعلق بولنے میں وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا ادب عطا فرمایا ہے۔

## مبارک انگلیاں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے؟

تو انہوں نے حدیث مبارک بیان کرنی تھی کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ان جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ انداز تھا کہ حدیث کو بیان کرتے وقت مسلسل بنانے کے لیے جیسے سرکار نے اشارہ فرمایا ہوتا ویسے ہی اشارہ کرتے تھے، جیسے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے ہوتے ویسے ہی مسکراتے کہ ہم نے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھنا ہے لیکن بعد والے ہم سے لفظ بھی پڑھتے رہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کو بھی معلوم کرتے رہیں کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کیا انداز تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو فرما رہے تھے۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو بیان کیا تھا کہ جن کی قربانی جائز نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا تھا کہ چار جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جب ان جانوروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کن کی قربانی جائز نہیں ہے تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مجمع عام میں کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ:

قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... ایک دن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ ان چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیوں سے اشارہ کیا، جب آپ رضی اللہ عنہ یوں کر پچکے تو دل میں خیال آیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی طرح اپنا ہاتھ قرار دے دیا کہ محبوب ﷺ نے یوں کیا تھا اور میں بھی یوں ہی کر رہا ہوں، سرکار ﷺ نے یوں ہاتھ کیا تھا، کہاں میرے آقا ﷺ کا ہاتھ اور کہاں میرا ہاتھ۔

آج چھوٹے چھوٹے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں اور ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، ہاتھوں کی مشابہت خود زبان سے بیان کرتے ہیں۔



حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی طرح ہے، بات کرتے وقت جب ہاتھ بلند کیا اور انگلیاں یوں کھولیں جیسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کو بیان کرنے کے لیے کھولیں تھیں تاؤ فوراً اپنی گفتگو کو بدل دیا اور وضاحت کر دی۔

کیا عشق ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور کیا منصب نبوت کی پہچان ہے، یوں ہاتھ کر کے ارشاد فرمانے لگے کہ:

أَصَابِعِي أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهِ ..... اے دیکھنے والو! ان انگلیوں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں ایسی ہیں، نہیں، میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔

أَصَابِعِي أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهِ ..... میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ:

أَنَا مِثْلِي أَقْصَرُ مِنْ أَنَا مِثْلِهِ ..... میری انگلیوں کے پورے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں سے چھوٹے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب: ما یکرہ من الضحایا،

ج: 3، ص: 54، رقم الحدیث: 2804)

یہ کہنا کیوں ضروری سمجھا کہ میں سمجھانے کے لیے مثال دے رہا ہوں، حدیث کو مسلسل بیان کرنے کے لیے اپنا ہاتھ دکھا کر ان کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا تصور دینا چاہتا ہوں، کہیں کوئی یہ نہ سوچ بیٹھے کہ میرا ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی طرح ہے یا میں اپنی انگلیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی طرح بیان کرنا چاہتا ہوں، فرمایا:

نہیں، نہیں، کہاں میری مجال اور کہاں میرے ہاتھ کی مجال، صرف میں نے تمہارے سامنے یوں کر دیا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ یوں کیا تھا۔

جہاں تک ہاتھوں کا تقابل ہے تو نہ میرے ہاتھ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جیسے ہیں اور نہ میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں جیسی ہیں اور نہ میرے پورے ان کے پوروں جیسے ہیں۔

آج لوگ اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں جیسے اور ہمارے ہاتھ ان کے ہاتھوں جیسے، ان میں کوئی فرق ہی نہیں ہے لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ فرق ان میں بہت زیادہ ہے یعنی میرے ہاتھوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے تشبیہ نہ دینا اور نہ ہی ان جیسا سمجھنا۔

عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں ہے کہ یہ سب کچھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ادب کے پیش نظر کیا اور بولتے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے جب اشارہ کیا تو فوراً وضاحت ضروری سمجھی کہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ اپنے ہاتھ کو تشبیہ دے رہا ہوں، نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بہت بڑا مظہر ہے، اس ہاتھ کے ساتھ کسی ہاتھ کی کوئی برابری نہیں ہے۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، کتاب الطحاہ، باب: ما یکرہ من الطحاہ، ج: 7، ص: 357)

اس مقام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منصب نبوت کے لحاظ سے جو عقیدہ ہے اور شان رسالت کے بارے میں گفتگو کا جو انداز ہے اس کو سمجھنا بڑا آسان ہو گیا۔

چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ جس سے پتہ چلے گا کہ اب ادب کا گریڈ کتنا نیچے چلا گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو انداز تھا اس انداز کو آج امت اپنائے گی تو پھر غیروں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

اگر امت کے اندر سے ہی یہ دھواں اٹھتا رہے کہ جس طرح کا دھواں حفظ الایمان کتاب میں ہے یا تحذیر الناس میں ہے اور جس طرح گستاخیوں کا دھواں تقویۃ الایمان میں ہے، ایسی کتابوں میں جو گستاخانہ لہجے استعمال کیے گئے ہیں اور پھر گستاخانہ تقریروں کا انداز استعمال کیا گیا ہے کہ لوگوں کو جبری بنا دیا گیا ہے کہ وہ بولتے وقت سوچتے ہی نہیں کہ ہم کس کے بارے میں بول رہے ہیں، لوگ تو اپنے اساتذہ کے بارے میں بولنے سے پہلے محتاط ہو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو شان رسالت کے متعلق بولتے ہوئے ہوش نہیں ہوتا کہ ہم کس ذات کے بارے میں بول رہے ہیں۔ آج کے اس موضوع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کواہیاں اور قرآن مجید کی آیت بیان کر کے ہم اس ماحول کے گستاخانہ دھوئیں پر اہم کرم کا فیضان لانا چاہتے ہیں تاکہ گستاخیوں کا دھواں ختم ہو جائے اور پھر امت مسلمہ کو بدکات میں سر آجائیں۔

## ادب کی انوکھی صورت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال کیا، وہ سوال ایسا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا جواب آتا تھا۔

آج کے لوگوں کا انداز کیا ہے، وہ بدمعاش تو کیا آگے بھی بڑھنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کا انہیں علم نہیں تھا، ہمیں ان باتوں کا علم آگیا ہے، لیکن وہاں صورتحال یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال کیا، اس

سوال کا جواب انہیں آتا تھا مگر ان میں سے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں، معاذ اللہ، اور نہ ہی ان میں سے کوئی بولا کہ اس کا یہ جواب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ادب ہے کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے جواب یہ تھا کہ:

اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ ..... اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

یہاں تو ایک فتور پیدا ہو گیا ہے کہ ایک امتی اُنھ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے، کوئی موقع ایسا بنے تو سہی فوراً کہتے ہیں کہ دیکھو انہوں نے بھی ایسا کیا، ہم بھی ایسا کر رہے ہیں، بات برآمد کی ہے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز اس بارے میں کتنا عجیب اور نرالا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں کہ:

خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس (10) ذوالحجہ کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے یہ سوال کیا کہ:

اَتَدْرُوْنَ اَيَّ يَوْمٍ هَذَا ..... تمہیں اے میرے صحابہ! یہ پتہ ہے کہ آج کون سا دن ہے؟

یہ بھی آج کچھ کہتے ہیں کہ سوال کرنے والا سوال تب کرتا ہے کہ جب اسے کوئی پتہ نہ ہو، تو معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گیا تھا کہ آج کون سا دن ہے۔

لیکن وہاں پر کیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی:

اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ ..... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

یعنی اس صورتحال میں بھی بڑی کشش ہے کیونکہ جس بندے کو کچھ بھی جواب آتا ہو وہ اپنا علم ظاہر کرنے کے لیے بولتا ہے کہ اللہ کے نبی سوال کر رہے ہیں اور میں جواب دے رہا ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں پہ لذت محسوس کر رہے ہیں کہ اگرچہ ہمیں جواب آتا ہے مگر ہمارے علم کی کیا حیثیت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں، ہر ایک کو اس کا جواب آتا ہے کہ یہ یوم الآخر ہے، قربانی کا دن ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ یوم الآخر ہے، بلکہ سارے یہی کہتے ہیں کہ:

اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ ..... اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا کہ:

اَيُّ شَہْرِ هٰذَا ..... یہ مہینہ کونسا ہے؟

اب سب کو پتہ ہے کہ حج ہمیشہ ذوالحجہ میں ہوتا ہے، اگر کوئی بے صبرہ امتی ہوتا تو پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ جاتا، لیکن یہ وہ ہیں جن میں ادب کوٹ کوٹ کے بھرا گیا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے میں حکمت کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔

جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا تو ہم نے کہا کہ:

اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ ..... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا سوال کیا کہ:

اَيُّ بَلَدٍ هٰذَا ..... تم جانتے ہو کہ یہ شہر کون سا ہے؟

اب سب کو پتہ ہے کہ یہ مکہ شریف ہے، اگر ان میں ہمسری کرنے کا جذبہ ہوتا تو وہ بولتے کہ یہ فلاں شہر ہے اور اگر معاذ اللہ سوچ سکی ہوتی تو یہ بھی خیال آ جاتا

کہ شاید مجمع زیادہ دیکھ کر بھول گئے کہ شہر کون سا ہے؟

اب تو اس طرح کے نکلے امتی بھی آگئے ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ شہر کون سا ہے؟

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ:

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ ..... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الحج، باب: الخطبة ایام منی،

ج: 2، ص: 620، رقم الحدیث: 1654)

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے کہ جس مقام پر انہیں پتہ بھی ہے، جانتے بھی ہیں مگر پھر بھی عظمت ظاہر کرنے کے لیے جواب ایسا دیتے ہیں کہ جس سے شان نکھر کے سامنے آ جاتی ہے۔

اب یہاں دو پہلو ہیں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کرتے تو یوں کہتے کہ اے محبوب! تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی جانتے ہیں، اس سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نیچے لانے کی کوشش کرتے کہ اس کا ہمیں بھی پتہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کو پتہ ہے، ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اللہ بھی جانتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں، یعنی وہ شان رسالت کو کھینچ کے نیچے نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ شان رسالت کا مقام بلند بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ہو سکتا تھا کہ جب جواب آتا ہے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے بھی اس کا پتہ ہے، آپ کو بھی پتہ ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کو بھی پتہ ہے اور آپ

کو بھی پتہ ہے، اللہ تعالیٰ بھی زیادہ جانتا ہے اور آپ بھی زیادہ جانتے ہیں۔ تو یہ انداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گفتگو کا تھا کہ وہ منصب نبوت کو بولتے وقت یوں بیان کرتے ہیں کہ:

یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!

اس کو بیان کرتے وقت اپنے ساتھ نہ ملاؤ، رب تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔

اس کے بعد اس طرح کی صورتحال بھی پیش ہوتی رہی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

آج کا ایک انداز جو معاذ اللہ کچھ لوگوں نے پیدا کر لیا، وہ باقاعدہ تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ تم جس پیغمبر کے علم کے ترانے پڑھتے ہو ان سے جب پوچھا گیا تھا تو وہ چپ ہو گئے تھے، یہ سوچ کینی سوچ ہے اور یہ سوچ منصب نبوت کے بارے میں بے ادبی والی سوچ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز کیا ہے، وہاں جو انداز ہے اللہ تعالیٰ نے وہی انداز آج بھی اہل حق کو عطا فرمایا ہے۔

### انداز محبت اور ادب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّمَا مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنَ زُهْرَةِ الدُّنْيَا وَ زِينَتِهَا ..... مجھے اپنی امت پر جن باتوں کا خطرہ ہے وہ دنیا اور اس کی زینت ہے، اس کے دروازے کھل جائیں گے، مجھے امت پر یہ خطرہ ہے، شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشِيرَ كُؤَا بُعْدِي ..... مجھے تم پر شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے، مجھے دنیا کے دروازے کھل جانے کا خطرہ ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا آجائے گی، کہیں اس کی چمک میں امت ڈوب نہ جائے تو ایک آدمی نے عرض کی کہ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! أَوْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ..... کیا خیر سے بھی شر برآمد ہو سکتا ہے؟

دنیا میں رزق حلال اگر زیادہ آجائے گا تو اس کا پھر کیا خطرہ ہو سکتا ہے، چونکہ حرام کی تو بات ہی نہیں کی جا رہی ہے، چوری، ڈاکہ سے آنے والے مال کی بات نہیں کی جا رہی ہے، کسب حلال سے رزق میں فراوانی ہو جائے گی، آج صفہ پہ جن کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا کل انہی لوگوں کے پاس لاکھوں ہزاروں دینار آجائیں گے اور پھر آگے امت میں جو مال آنے والا تھا اس کا بیان کیا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال تو خیر ہے، کیا خیر سے بھی شر برآمد ہو سکتا ہے؟ جب صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تو:

فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

خاموش ہونے پر ایک ہے آج کے کند ذہن امتی کا تبصرہ اور ایک ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبصرہ، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسالت کے جو ایسے مقامات ہیں ان کے بارے میں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!



یہاں بولتے وقت اپنے تبصرے مت جھاڑو، جو سامنے بیٹھے تھے ان سے پوچھو، جنہوں نے نبوت کا چمکتا چاند اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جن کے ذہن کے آنگن میں اس چاند کی چاندنی براہ راست اترتی رہی ہے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھو کہ وہ ایسے موقع کو سمجھتے تھے تو کیا سمجھتے تھے؟

آج جس وقت کچھ لوگ ایسی باتیں سنتے ہیں تو دانت کھٹے ہوتے جاتے ہیں اور انہیں باتیں یاد آتی جاتی ہیں کہ فلاں کہتے ہیں کہ ان کا اتنا علم ہے، لیکن ان سے سوال ہوا تھا تو وہ چپ ہو گئے تھے، ان لوگوں کو بولتے وقت شرم نہیں آتی ہے۔

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز دیکھو کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی تھوڑا ہے، صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چپ کر گئے ہیں، صحابی رضی اللہ عنہ کو خیال تک نہیں آیا، جس وقت بولتے ہیں تو عظمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کر کے بولتے ہیں، چپ ہونے کو انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے میں کوئی مشکل واقع ہو رہی ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سائل کو جھاڑا:

قِيلَ لَكَ مَا سَأَلْنَاكَ تَحْكُمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُكَلِّمُكَ ..... صحابہ کرام نے اس آدمی سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ تم کیسے ہو، تم سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بولنا پسند ہی کر رہے، لہذا تمہارے سوال میں کوئی کمی ہے، تمہارے انداز میں کوئی کمی ہے، تم بولتے ہو لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بولنا پسند نہیں کر رہے ہیں۔

اب اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عظمت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کیا اور یقیناً وہ عظمت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انداز بتا رہے تھے کہ امتی کا حق نہیں ہے کہ ایسے موقع پر اپنی زبان کھول لے اور منصب نبوت پر تنقید کرنا شروع کر دے،

بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے ہیں، تو اے سائل! تیرا انداز ٹھیک نہیں ہے، تیرا سوال درست نہیں ہے، تجھ میں کوئی کمی ہے، تم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے بولتے ہو لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے بولنا پسند نہیں کر رہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سوال کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کا جواب دیا جائے۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز تھا اور وہ اپنے طور پر یہ بات واضح کر رہے تھے کہ یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

رسول اکرم ﷺ کے چپ ہو جانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سائل کو جھڑکا کہ تمہارا سوال ٹھیک نہیں تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سائل کے دل سے واقف ہوتے ہیں اور سائل کی کیفیت سے واقف ہوتے ہیں، سائل کے پس منظر سے واقف ہوتے ہیں اور ہر چیز کو سامنے رکھ کر پھر جواب دیتے ہیں اور کبھی چپ کر جاتے ہیں تو اس میں بھی بھلا سائل کا ہی ہوتا ہے اگر بولا تو سب کچھ اس کا ظاہر ہو جائے گا، کبھی چپ کر جاتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ:

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ..... اور بہت کچھ معاف فرما دے۔

یہ نہیں کہ جواب نہیں آتا معاف کر دیتے ہیں، یہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شان نبوت کو بالکل بے غبار سمجھا ہے اور عظمت بیان کر رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہہ رہے تھے کہ سائل کا سوال اچھا نہیں ہے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد جب سراٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: **أَيُّ الْمَسْأَلِ.....** وہ سائل کہاں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اس سے ہمیں پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کو پسند فرمایا ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو پیار سے آواز دی ہے، جو سر جھکایا تھا وہ اس لیے جھکایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے وحی کے ذریعے پیغام نازل فرما رہا تھا۔

(صحيح البخارى، كتاب الزكاة، باب: الصدقة على البتامي،

ج: 2، ص: 532، رقم الحديث: 1396)

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عشق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سائل کے سوال میں کوئی کمی باقی رہ گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دینا پسند نہیں کر رہے، تو یہ ایک امتی پہ لازم ہے کہ ایسے مقامات جس وقت آئیں تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یقیناً اُن میں کوئی عظمت ہی موجود ہوتی ہے۔

یہ کوئی معمولی بات تو نہیں کہ عرش سے اتنا ڈاڑھٹ رابطہ ہو، ادھر سائل سوال کر رہا ہے ادھر جبرائیل سدرہ سے نیچے آرہے ہیں، یہ تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔

لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ طریقہ سیکھا رہے ہیں کہ منصب نبوت اور سیرت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے وقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بولتے وقت انداز وہ ہونا چاہیے جو انداز اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عطا فرمایا ہے۔

## عبادت اور ادب

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کتنی عبادت کرتے ہیں یعنی یہ ان کو شوق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی عبادت کیا ہے؟ اس کا بھی ہمیں پتہ ہو چاہیے تاکہ ہم مزید عبادت کریں۔

جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو بیان کیا تو حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ:

كَانَتْهُمْ نَفَالُوهَا ..... کوئی ایسی عبادت نہ تھی جس کو بہت زیادہ عبادت سمجھا جاتا یعنی گھر میں نماز تہجد، نوافل پڑھتے ہیں تو پاؤں مبارک پہ ورم آ جاتا ہے، لیکن جتنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ اتنی عبادت گھر کی ہوگی، وہ جواب نہیں ملا۔

اس کے بعد امتحان شروع ہو گیا لیکن اگر آج کا خشک امتی ہوتا تو جس وقت بولتا تو تنقید کے انداز میں بولتا کہ یہ کیسے نبی ہیں، رات کو اتنی عبادت ہی نہیں کرتے، یہ کیسے ہیں ہم سمجھتے تھے کہ رات کو بڑی عبادت کرتے ہوں گے اور یہ تو کوئی زیادہ عبادت نہیں ہے، لیکن جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عبادت کا پتہ چلا تو ایسا لفظ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں بولا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت بھی بہت بڑی عبادت ہے چونکہ پاؤں پہ ورم آ جاتا ہے، سو جھ جاتے ہیں۔

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کا اثر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے طور پر اور بھی سوچے ہوئے تھے لیکن جب اپنی سوچ کے مطابق انہیں جواب نہیں ملا تو ان کے ذہنوں میں اس کا کیا نتیجہ نکلا، وہ آپس میں بیٹھ کے کہنے لگے کہ:

بھائیو! وہ تو اللہ کے محبوب ہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوڑی عبادت کریں تو بھی وہ بہت زیادہ ہے، ہمیں کچھ سوچنا چاہیے۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح،

ج 5، ص: 1949، رقم الحدیث: 4776)

ایک آدمی بارہ گھنٹے کام کرتا ہے، کسی کانوکر ہے اور دوسرا آدمی وزیر ہے، بادشاہ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھتا ہے، گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھتا ہے، اس وزیر کا گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھ جانا اس کے بارہ گھنٹے سے زیادہ مقام رکھتا ہے۔

اللہ کے وزیر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان کے عمل کی ویلیو اور ہے اور عام بندے کے عمل کی ویلیو اور ہے، اب بتانے سے مقصد یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مشکل مقام آیا تو رسول اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی عبادت ہے، اتنی بھی بہت زیادہ ہے اور ہمیں مزید بندگی کرنی چاہیے کیونکہ ہمارا وجہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ نہیں ہے جو رب نے اپنے محبوب ﷺ کی اداؤں کو عطا فرمایا ہے۔

## کفار کی نازیبا حرکت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں اتنی محاسن تھی کہ کسی آدمی کی تقریر پر اتنے لوگوں نے کلمہ نہیں پڑھا جتنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریروں پر لوگوں نے کلمہ پڑھا ہے، اور جو توحید کا نور پھیلایا اور قیامت تک پھیل رہا ہے یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

انداز کی وجہ سے ہے، یہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ آپ بتوں کی مذمت کرنے والے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ اس بت پرستی کے ماحول میں آپ نے تقریریں کیں اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے جھنڈے لہرائے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، بتوں کی مذمت کرتے ہیں، یہ بات کفار نے اپنے لہجے میں کی، لہجہ کیا تھا؟ ان کا لہجہ استفہامیہ تھا، یوں سمجھو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی گلی سے گزر رہے تھے اور قریش کہیں اپنے ڈیرے پہ بیٹھے تھے، جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور یہ شہرہ ہو چکا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے زبردست خلاف ہیں، کچھ لوگوں کو قریش میں سے پتہ تھا اور کچھ لوگوں کو ابھی پتہ نہیں تھا۔

جب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو ایک ان میں سے بولا:

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكُلُ ..... یہ ہیں وہ جو بتوں کو گالیاں دیتے ہیں؟ یہ ہیں وہ جو ہمارے خداؤں کے خلاف بولتے ہیں؟ یہ ہیں وہ جو ہمارے خداؤں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہے۔

اب یہ بات تو سچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور بتوں کی مذمت کرتے ہیں مگر ان کا انداز تو بین والا ہے کہ:

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكُلُ ..... کیا یہ ہیں وہ جو ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے ہیں؟ وہ سمجھتے تھے کہ کہاں ہمارے بتوں کی شانیں اور کہاں یہ خلاف ورزی کرنے والا، کہاں ہمارے بتوں کا مقام اور کہاں یہ انسان جو ہمارے بتوں کی مخالفت کر رہا ہے، یہ کب ان بتوں کا راستہ روک سکے گا، یہ انداز ان کا تو بین والا تھا۔

ہمزہ استفہام کے بعد والا کلام ”هَذَا الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكُلُ“ سو فیصد سچا ہے مگر جب انداز

ایسا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو کیا کہا کہ قریش کیا کر رہے ہیں، مشرک کہا بولتے ہیں:  
وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ كَفَرُوا وَانْصَبُوا بِكُفْرِهِمْ إِلَّا هُزُؤًا ..... اور جب کافر  
تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھہ۔

جب اے محبوب! کافروں نے تجھے دیکھا تو:  
إِنْ يَتَّخِذُوا نَكَالًا هُزُؤًا ..... تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھہ۔

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، رقم السورۃ: 21، رقم الآیۃ: 36)

جس چیز کو مذاق کہا گیا اگرچہ وہ سچی بات ہے لیکن وہ استفہامیہ انداز کی گئی تھی،  
وہ سچی بات جس کا انداز صحیح نہیں تھا، وہ سچی بات جو بیان کرنے والے نے غلط  
انداز میں بیان کی ہے تو قرآن مجید اس کو ثابت کر رہا ہے کہ اگر سچی بات کو  
گستاخانہ لہجہ میں بیان کیا جائے تو قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ اس بندے نے شان  
رسالت کو بیان نہیں کیا بلکہ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کر رہا تھا۔

جس چیز کو ’ہزوا‘ کہا گیا ہے یہ ’أَهْذَأَ الَّذِي يَذْكُرُ الْيَتْمَانِ‘ کا بیان ہے۔ نبی  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ ہیں جو بتوں کی خلاف  
ورزی کرتے ہیں اور انہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ چھوٹا ثابت کرنا چاہا  
اور اپنے بتوں کو بڑا ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمہارا مذاق کر رہے ہیں لیکن  
إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ..... بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

(القرآن الکریم، سورۃ الحجج، رقم السورۃ: 15، رقم الآیۃ: 95)

پتہ چلا کہ شان رسالت اتنا نرم مقام ہے اور اتنا نازک مسئلہ ہے کہ سچی بات کو  
بیان کرتے ہوئے بھی انداز گستاخانہ آجائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کو

خطبہ نہ کہو، اس کو تقریر نہ کہو، اس کو شریعت کا بیان نہ کہو، یہ مذاق ہے جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔  
یہ تو رہی انداز میں کئی لیکن اگر دل میں بھی یہ خیال آجائے گا تو بندہ تباہ و برباد ہو جائے گا یعنی اس کے ایمان کی حیثیت جاتی رہے گی، کوئی حیثیت اس کی باقی نہ رہے گی۔  
شان رسالت کے متعلق حوالہ جات پیش کر رہا ہوں، یہ اس امت کے لیے ایک سوغات ثابت ہوگی کہ دور دور تک اس کے ثمرات مرتب ہوں گے۔

### انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا ادب

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، مسجد میں آئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے، رات کا وقت تھا یعنی اندھیرا چھا چکا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا دینے یا کسی اور کام کے لیے آئیں، جس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رخصت ہونے لگیں تو مسجد کی حد کے اندر رہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ محترمہ کو رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور مسجد کے صحن میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھڑے تھے کہ:

مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ ..... دو انصاری صحابہ کا گزر ہوا،

جب وہ وہاں سے گزرے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا کہ ان دونوں نے مجھے دیکھا ہے کہ میں ایک عورت کے پاس کھڑا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

عَلَى رِسْلِكُمَا ..... تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ،



آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةٌ ..... یہ تماری امی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں، خود اس کی وضاحت کرنا چاہی کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تو ان دونوں انصاری صحابہ نے کہا کہ:

فَقَالَا: سُبْحَانَ اللَّهِ ..... کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے اس وضاحت کی ضرورت کیا تھی، ہم کب کچھ آپ کی ذات کے بارے میں سوچ سکتے ہیں، کیسے ہمارا ضمیر کوارا کر سکتا تھا کہ آپ کا کلمہ بھی پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا بھی سوچیں۔

سُبْحَانَ اللَّهِ ..... اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔

یہ ہے شان رسالت جہاں سن کے سبحان اللہ کہا جاتا ہے۔

اِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةٌ ..... یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں تو ان دونوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ کہ حضرت ہمارے لیے اس وضاحت کی ضرورت نہ تھی، ہم تو آپ کو ماننے والے ہیں، ہم تو سوچ نہیں سکتے تھے کہ کوئی اور عورت تھی اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہوں، ہم یہ خیال ہی نہیں کر سکتے تھے۔

چونکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دیکھنے والی تھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ:

تیری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی

اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی

میرے ذہن کے فلک پہ سوال چمکے تو میں نے دیکھا

تیرے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی تھی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ٹھیک ہو

مگر مجھے قیامت تک منبروں پر بیٹھے ہوئے کچھ ملاں نظر آ رہے ہیں، اور مجھے قیامت تک گلیوں کے تحروں پر بیٹھے ہوئے مسنڈے نظر آ رہے ہیں جن کو شان رسالت کے بارے میں بولتے وقت حیا نہیں آئے گی، میں اس کی وضاحت اس لیے کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سے وہ سبق سیکھیں۔

اس لیے کہ میرے صحابہ کرام مجھے تم سے خطرہ نہیں ہے، خطرہ ان سے ہے جو مجھے نہیں دیکھ سکیں گے اور پھر باتیں ایسی کریں گے۔  
میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمانے لگے کہ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِّ ..... شیطان بڑا خبیث ہے، یہ وہاں جاتا ہے جہاں خون جاتا ہے یعنی اس قدر انسان کے اندر شیطان سرایت کر جاتا ہے۔  
مَجْرَى الدَّمِّ ..... خون کی رگ میں اور پورے بدن میں پکڑ لگتا ہے اور انسان کے اندر بڑی گندگی ڈال دیتا ہے، تم سچے ہو مگر قیامت تک کے خطرے بھی میرے سامنے ہیں، وہاں جو بے حیا سوچ ہوگی اس کو بھی تو سمجھنا مقصود ہے۔

میرے صحابہ میں اس لیے بول رہا ہوں کہ شیطان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے:  
إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَتَذَفَّ فِي قُلُوبِكُمْ شَيْئًا فَتَهْلِكُوا ..... مجھے خطرہ ہے کہ یہ شیطان جو خون میں شامل ہو جاتا ہے کہیں تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے، زبان پر نہیں:

فِي قُلُوبِكُمْ ..... تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔  
اگر تم میرے بارے میں دل میں سوچو گے، یا قیامت تک کوئی امتی، کوئی بندہ میرے بارے میں نازیبا سوچے گا تو پھر کیا ہوگا:  
فَتَهْلِكُوا ..... پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

میں نے اس لیے وضاحت کی کہ یہ صفیہ ہے کہ شیطان خون میں داخل ہو جاتا ہے اور بندے میں کئی خیال لاسکتا ہے، اگر میرے بارے میں تمہیں کوئی نازیبا خیال آگیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے، تمہارا ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب: التکبر و التسیب عند العجب، ج: 5، ص: 2269، رقم الحدیث: 5865، و الشفاء، القسم الثالث، الباب الأول، فیما یخص بالامور الدینیة..... فصل: قد امتیان لك..... ج: 2، ص: 108)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سہارا ہیں اور وہ پل کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے شریعت گزر کر ہمارے طرف آرہی ہے، اس واسطے خطاب ان کو کیا، ان کے دماغ بڑے پاک ہیں ان سے ہو کر بات ہم تک پہنچنے والی تھی اس واسطے فرما دیا کہ:

اگر شیطان کی وجہ سے ایسا خیال آگیا تو پھر اس کا انتظار نہیں ہوگا کہ تم زبان سے بولتے ہو یا کہ نہیں بولتے، جو نبی دل میں خیال آتا جائے گا ہلاکت آتی جائے گی، ایمان لٹ جائے گا، عقیدہ مٹ جائے گا، عظمت ختم ہو جائے گی۔

یہاں تصور کرتے وقت بھی اپنے دماغ کو وضو کرانا پڑے گا، اپنے خیال کو اعتکاف کرانا پڑے گا، اپنے تصور کو احرام بندھوانا پڑے گا اور اپنی سوچ کو تقدس کا غسل دے کر اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی طرف لے جانا پڑے گا کیونکہ اگر یہاں پر کچھ بھی نازیبا خیال آگیا تو اسی سے تم ہلاک ہو جاؤ گے یعنی ہلاکت ایمانی ہو جائے گی۔

اس سے پتہ چلا کہ شان رسالت کا معاملہ بڑا ہی نرم ہے، بڑا ہی نازک ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سوچ پر بھی پابندی لگانے کے لیے صحابہ کرام کے سامنے وضاحت فرمادی کہ یہ موقع ایسا بن گیا ہے کہ سوچ انسان کو

آسکتی ہے، میں فوراً اس لیے بولا ہوں کہ کہیں یہ نہ ہو کہ میں چپ رہوں ادھر سوچ آجائے اور پھر تمہارے ایمان کا خاتمہ ہو جائے، نہیں، میں فوراً بولتا ہوں تا کہ ایسی نوعیت نہ آنے پائے کیونکہ میرے بارے میں اتنا سنا زک خیال کہیں آجائے گا تو پھر وہاں ایمان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

”شان رسالت“ یہ بڑا اہم اور بڑا عظیم مسئلہ ہے اور یہ ایک سوغات ہے اور جس وقت آج ماحول میں بے ادبی کے دھوکے اٹھ رہے ہیں، اپنے ماحول کی صفائی ضروری ہے تا کہ غیروں کو پتہ چلے کہ کتنا خوبصورت تصور ہوتا ہے جب یہ مسلمان سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔

### الفاظ کی آڑ میں گستاخیاں

آج کچھ لوگوں نے کچھ الفاظ کو آڑ بنالیا اور اس آڑ میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

### پہلی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بہو استغفار کرنا اس کو کچھ لوگوں نے آڑ بنالیا کہ جس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے ہیں تو پہلے معاذ اللہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو تب ہی وہ استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہم صحابی نے نقش و نگار والی نئی چادر پیش کی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اپنے اوپر اوڑھی اور نماز ادا کی، لیکن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ:

اَذْهَبُوا بِهَذِهِ الْخِمِيصَةِ اِلَى اُمِّي جَهْمٍ وَ اُنْتُونِي بِاَنْبِجَانِيہِ ..... یہ چادر

ابو جہم کو واپس کر دو اور میرے چادر جو انجانہ کی بنی ہوئی ہے یعنی سادہ چادر جس پر نقش و نگار بنے ہوئے نہیں ہے وہ لے آؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّمَا الْهَيْئَةُ أَنْفًا فِي صَلَاتِي ..... جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو اس نقش و نگار نے میری توجہ ہٹا دی، اس واسطے میں یہ چادر نہیں اُڑھوں گا، یہ چادر ابو جہم کو واپس دے دو اور ان سے میری سادہ چادر لے آؤ۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب: كراهة الصلاة في ثوب له أعلام،

ج: 2، ص: 77، رقم الحديث: 1267)

یہ چادر ان کی ہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چادر ان کو ہی واپس کر دو جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ریشم کا چبہ دیا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ریشم تو پہننا حرام ہے، آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پہننا حرام ہے لیکن اس کا بیچنا تو حرام نہیں ہے، تم یہ کپڑا آگے بچھ سکتے ہو تو ایسی ہی صورتحال یہاں بھی تھی۔

(صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب: في العيدین و النجمل فیہما،

ج: 1، ص: 323، رقم الحديث: 906)

یعنی اس سے مقصد یہ نہیں تھا کہ ابو جہم یہی چادر پہن کر نماز پڑھیں، یا تو انہی کی طرف سے تحفہ تھا تو ان کو واپس کر دی یا پھر ویسے ہی دے دی ہے کہ وہ بچھ سکتے ہیں۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں تو اپنی سادہ چادر پہنوں گا، کیوں؟ اس لیے کہ اس نے نماز میں خلل پیدا کیا ہے۔

یہاں پر ایک عام سی سوچ یہ بھی ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے چادر کے نقش ونگار کی وجہ سے درمیان میں رکاوٹ آگئی، ہم تو ایسی چادروں میں پڑھ لیتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا، اب تو مسجد میں بھی نقش ونگار ہوتا ہے اور مصلے پر بھی نقش ونگار ہوتا ہے، ایک سوچ کا یہ انداز ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ معاذ اللہ ہماری روحانیت تیز ہے، ہم تو نقش ونگار والی ایسی چیزوں میں پڑھ لیتے ہیں، ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش ونگار والی چادر اتار دی:

إِنَّمَا إِلَهَ الْهُنَيِّ آيُنَا فِي صَلَاتِي ..... اس نے میری نماز میں خلل ڈالا ہے۔

ان الفاظ کو آڑ بنا کر کچھ لوگ اپنی بھر اس نکالنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ ہم جیسے ہیں اور ہم ان جیسے ہیں، وہ بھی بھول جاتے ہیں اور ہم بھی بھول جاتے ہیں، ان کی توجہ بھی ہٹ جاتی ہے، ہماری بھی توجہ ہٹ جاتی ہے، ہم میں اور ان میں فرق کیا ہے؟ بس اتنا فرق ہے کہ ان پر وحی آئی ہے ہم پر وحی نہیں اتری۔

”إِنَّمَا إِلَهَ الْهُنَيِّ آيُنَا فِي صَلَاتِي“ والا انداز سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک بے طے شدہ حقیقتیں اور ایک بے درمیان میں وضاحت کی چیزیں۔

اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و آنکہ حال آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم عالی تر آنست کہ چہنہ اورا حضوری کہ در نماز داشتہ باشد ..... ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس سے کروڑ درجے اوپر ہے کہ کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دربار سے پیچھے بنا سکے، چادر تو کیا اگر ہزار بندہ آکر درمیان میں حجاب بنا

چاہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ کے دربار میں حضوری حاصل ہے، ہزار بندہ خلل نہیں ڈال سکتا تو چادر خلل کہاں ڈال سکتی ہے؟

رسول اکرم ﷺ کا جو مرتبہ ہے اس کے لحاظ سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس حضوری میں خلل ڈال سکے، پھر کہنے لگے کہ اس حدیث کی شرح یوں کی جاسکتی ہے:

کہ حضوری حق را مراتب و درجات غیر متناہی است .....  
اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کے درجات اور مراتب غیر متناہی ہیں۔

یہ نہیں کہ وہ ایک ہزار ہیں، یا ایک لاکھ ہیں، یا ایک کروڑ ہیں، حضوری کے درجات غیر متناہی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضوری کے درجات غیر متناہی ہیں:

و آں مرتبہ کہ خاصہ آں حضرت بود ..... اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا جو درجہ ہے،

اگر از آں جاتنزل نماید ..... اگر سرکار ﷺ اس درجے سے نیچے بھی کچھ آجائیں یعنی حقیقی درجے سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نیچے آجائیں،

ہنوز در جای ہواہد بود کہ مقربان دیگر بصد جہد و فناء عمر ہای دراز آنجا نمی رسیدہ باشند ..... رسول اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے قرب میں درجات ہیں، وہ غیر متناہی ہیں، اگر اس چادر کی وجہ سے سرکار ﷺ کا تنزل ہوا، تو پھر بھی اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہیں کہ بڑے بڑے صالحین ساری عمر صرف کر کے حضوری کے اس درجے تک نہیں پہنچ سکتے جس درجے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نقش و نگار والی چادر پہن کر موجود ہیں۔

مثال کے طور پر ایک ارب درجے ہوں تو ہم جیسوں کو ان میں سے ایک درجہ حاصل ہے اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اربوں درجے حاصل ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ رب کے دربار میں ان اربوں درجوں میں سے اگر کسی درجہ سے ایک درجہ بھی کم ہو تو یہ مجھے منظور نہیں ہے، اگرچہ کم ہو جانے کے بعد بھی حالت ایسی ہے کہ ساری دنیا کے درجات اکٹھے کر لیے جائیں پھر بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوری والے درجے تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

یہ اس حدیث شریف کی حقیقت ہے جس کو حضرت امام عبدالحق محدث دہلوی نے اور دیگر صالحین نے بیان کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کو سمجھنے ہے تو اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ: ایک ہے عینک کا شیشہ اور ایک ہے دروازے کا شیشہ، دروازے کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے، عینک کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے، یہاں چھوٹا بھی بڑا لگتا ہے، وہاں بڑے نشان پر بھی گزارہ ہو جاتا ہے، ہم جیسے وہ شیشہ رکھتے ہیں جو شیشہ کسی شوکیس کا ہے، جو شیشہ کسی دروازے کا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کا وہ شیشہ ہے جو آنکھ کے شیشے سے بھی کروڑ درجے لطیف ہے، لہذا وہاں پر معمولی سے نقش و نگار کو بھی اپنے شایان شان نہیں سمجھتے اس کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف ہم ہیں ہمارا رب کے دربار میں حضوری کا کوئی مقام ہی نہیں ہے، اس کے باوجود نقش و نگار میں لگے پھرتے ہیں، ہماری حیثیت اور طرح کی ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور طرح کا ہے۔

اب جس وقت سوچا، غور اور تدبر کیا تو ”الْفَتْنِی“ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا پتہ چلا، ہر کار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ چلا۔



اب لفظ یہی ہے لیکن اس کو دوسرا طبقہ معاذ اللہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو عام سا انسان سمجھنے کے لیے واضح کر رہا تھا، لیکن حق والوں نے پڑھنا تو پتہ چلا کہ یہاں تو خاص الخاص مقام کی بات ہو رہی ہے۔

## دوسری مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بہو استغفار کی اہمیت کو بیان کر رہے تھے کہ تو بہو استغفار کرنی چاہیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ یہاں ارشاد فرمائے ہیں کہ:

إِنَّهُ لِيُغَانُ عَلَى قَلْبِي ..... میرے دل پہ پردے پڑ جاتے ہیں،

وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةً مَرَّةً ..... میں دن سو بار استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة، باب: استحباب الاستغفار و

الاستسکار منه، ج: 8، ص: 72، رقم الحديث: 7033)

ایک انداز اس کو ظاہری طور پر سمجھنے کا ہے، جنہوں نے بخاری کا ترجمہ بغفل میں رکھا ہوا ہے اور دین کی نمائندگی کرنا چاہتے ہیں، لوگوں سے کہیں گے کہ لو کو! دیکھو اس نبی کو (معاذ اللہ) سو بار استغفار کی ضرورت پڑ جاتی ہے، کوئی گناہ تھا تو مغفرت طلب کر رہے ہیں (معاذ اللہ) ورنہ استغفار کیسے کرتے؟

یہ سوچ گستاخانہ سوچ ہے، جو اس طرح سہارا بنا کر اپنے مطلب اور دھندے کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھو گے، تا بعین رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھو گے، جی تا بعین رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھو گے، نہیں تو پنجاب کے دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو گے تو پتہ چلے گا یہاں تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے۔

آج کل کا لجز و یونیورسٹیوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ آنے کے پروفیسر ایسی باتیں اٹھاتے

پھرتے ہیں، ان کو پتہ ہی نہیں کہ منصب نبوت ہے کیا اور ہم بول کس کے بارے میں رہے ہیں، یہ تقریریں اور لیکچرز ہو رہے ہیں کہ دیکھو سو بارون میں تو بہہ کرتے تھے، تو بہہ سے پہلے گناہ کا ہونا ضروری ہے تو (معاذ اللہ) دن میں کئی گناہ ہو جاتے تھے تو تب تو بہہ کرتے تھے، یہ تقریریں سکولز اور کالجز میں کی جا رہی ہیں، کچھ ہوس پرست پروفیسر و استاد جو مختلف باطل پرستوں کے ایجنٹ ہیں، ہماری ملت کے بیٹوں کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

سنو! اگر تم نے حدیث شریف سمجھنی ہے تو تمہیں داتا علی بجوری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیلیں پہ جانا پڑے گا، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کریں گے کہ: یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

تھمڑے پہ بیٹھے ہوئے، فیکٹری میں بیٹھے ہوئے، دوکان میں بیٹھے ہوئے ایک عام انسان کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھا رہے ہیں کہ یہ شان رسالت ہے، کسی چھوٹے بندے کی بات نہیں ہے، یہاں پر جس جہت سے دیکھو گے تو عظمت کا ایک نیا جہاں نظر آئے گا۔

### داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حضرت داتا علی بجوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

توبہ بر سہ گونہ باشد ..... تو بہ کی تین قسمیں ہیں،

یسکی از خطا بہ صواب ..... ایک تو یہ ہے کہ غلطی سے توبہ کر کے صحیح کام کرنا یعنی خطا کو چھوڑنے کی توبہ کرنا،

و از صواب بہ اصوب ..... دوسری یہ ہے کہ درست کو چھوڑ کے درست

کرنا یعنی ایک درست کو چھوڑا ہے تو دوسرا درست شروع کر دیا ہے۔

پہلی قسم یہ تھی کہ غلطی چھوڑ کر درست کام شروع کیا، دوسری قسم یہ ہے کہ درست کو ہی چھوڑ کر درست کام شروع کیا اور تیسری قسم ہے:

از خود بہ حق ..... اپنے خیال سے توبہ کر کے رب کے خیال میں ڈوب جانا یعنی اپنی خودی سے توبہ کر کے، اپنے آپ سے توبہ کر کے، اپنے خیال سے توبہ کر کے، اپنی ذات کی فکر سے توبہ کر کے اپنے رب کے جلوؤں میں مست ہو جانا۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے ان تین قسموں پر قرآن مجید اور حدیث سے دلیل دی ہے۔ یہ صوفی ہوتا ہے جو کہ اتنے بڑے علم کا خزانہ ہوتا ہے، اتنا بڑا قرآن و سنت کا ماہر ہوتا ہے، اتنا بڑا مفکر و محدث ہوتا ہے کہ وہ الفاظ جو زمانے میں حجاب اکبر بن رہے ہوں ان الفاظ سے حجاب کو دور کر کے علم کا صحیح چہرہ دکھاتا ہے۔

اب جو کہہ رہے تھے کہ کوئی گناہ ہے تو پھر توبہ کی ہے، وہاں علم پردہ اور حجاب بن گیا۔ یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت ہے کہ آپ حجاب کو دور کر کے حقیقی علم کا چراغاں کرنے والے ہیں۔

## توبہ کی پہلی قسم

یکی از خطا بہ صواب ..... خطا سے توبہ کر کے صواب کی طرف آنا۔

## مثال

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ

فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ

وہ اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر غلظت کریں اللہ کو یاد کر کے  
اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

(القرآن الکَرِیم، سورۃ آل عمران، رقم السورۃ: 3، رقم الآیۃ: 135)

اب یہاں پر تو لباس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ غلطی کو چھوڑ کر درست کام کرنا۔

## توبہ کی دوسری قسم

و از صواب بہ اصوب ..... صواب سے اصوب کی طرف توبہ کرنا۔

## مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے، جب ’اُرِیْسُ‘ کہا تو جواب ’لَسُنْ  
تَرَ اِیْسُ‘ کی صورت میں ملا، لیکن جب ایک جلوہ اللہ تعالیٰ نے طور پر گرایا تھا تو حضرت  
موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر زمین پر گر پڑے تھے، قرآن مجید کہتا ہے کہ جس وقت انہیں  
ہوش آیا تو کیا بولے:

تُبْتُ ..... میں نے توبہ کیا۔

(القرآن الکَرِیم، سورۃ الأعراف، رقم السورۃ: 7، رقم الآیۃ: 143)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کا جو لفظ بولا تو حضرت دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و از صواب بہ اصوب ..... یہ وہ غلطی سے توبہ نہیں تھی، یہ ایک درست  
کام سے توبہ تھی، درست سے درست کی طرف توبہ تھی۔

اس کا مطلب حضرت دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

ہمہ عالم اندر حسرت رؤیتِ ہدای عزوجل می سوختند

..... ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے،

و موسیٰ علیہ السلام از آن توبہ کرد؟ ..... اور موسیٰ علیہ السلام توبہ کرتے ہیں کہ میں اب ”اُردنی“ نہیں کہوں گا، ”اے اللہ! مجھے دیدار کرا“ اب میں یہ نہیں کہوں گا۔ جس کو سارا جہاں ڈھونڈتا ہے وہ اس سے توبہ کر رہے ہیں، وہ غلطی نہیں تھی لیکن اس کو چھوڑ اس لیے ہے کہ دوستی میں اپنا اختیار برتنا جائز نہیں ہے، جب تو نے مجھے اپنا بنایا ہے تو مجھے چاہیے تھا کہ جب باقی ہر کام تیری مرضی پہ چھوڑتا ہوں تو دیدار والا کام بھی تیری مرضی پہ چھوڑ دیتا یعنی تیری مرضی کو تو دیدار کراتا یا نہ کراتا۔

تو جو پہلی حالت تھی میں نے دیدار مانگا تھا میں اس سے تائب ہو گیا ہوں، اب کبھی بھی دیدار نہیں مانگوں گا، یہ تیری مرضی ہے کہ تو کب اپنا دیدار کرائے گا۔ قرآن مجید میں ”تُبْتُ“ کا لفظ تو آگیا مگر وہ غلطی سے تو بنیں بلکہ درست سے توبہ ہے، ایک درست کام سے دوسرے درست کام کی طرف جانے کا نام توبہ ہے۔ حضرت دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھ لو گناہ کوئی نہیں لیکن توبہ کا لفظ موجود ہے۔

## توبہ کی تیسری قسم

از خود بہ حق ..... اپنے آپ سے توبہ کر کے رب تعالیٰ کے دیدار میں ڈوب جانا۔ یہ توبہ کی تیسری قسم ہے، اس کا مرتبہ دوسری قسم سے بھی بڑا ہے تو مطلب یہ بنے گا کہ: اِنَّهُ لَيُعَانُ عَلٰی قُلُوبِی ..... میرے رب! میں امت کی بھی سوچتا ہوں، اس وقت تیری طرف خیال نہیں ہوتا، امت کی سوچ تیرے حکم سے ہے مگر ہے تو مخلوق کی ہی سوچ، امت کے سوالات کو سنتا ہوں اور ان کا جواب دیتا ہوں، امت کے مستقبل کے لیے پلاننگ کرتا ہوں، امت کی قیامت تک کی مشکلات کو

آسان کرنے کے لیے سوچتا ہوں تو یہ وہ پردہ ہے جس سے خیال امت کی طرف چلا جاتا ہے۔

وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً ..... تو میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں کہ جب اپنے خیال میں اور امت کے خیال میں ہوتا ہوں پھر اس کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے خیال میں چلا جاتا ہوں۔

پہلے نہ کوئی صغیرہ گناہ ہے، نہ کوئی کبیرہ، نہ کوئی بھول ہے، نہ کوئی چھوٹی موٹی خطا، پہلے بھی بڑا مرتبہ تھا، جو رب نے امت کی فکر عطا فرمائی ہے اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہو جاتا ہوں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و محال باشد کہ حواص از معصیت توبہ کنند ..... یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے گناہ سے توبہ کر رہے ہوں، وہاں گناہ نہیں ہے، وہاں ایک صواب سے دوسرے صواب کی طرف یا اپنی خودی سے حق کی طرف لوٹنا ہی توبہ ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ قابل غور ہے کہ:

چنانکہ مقامات مصطفیٰ علیہ السلام ہر دم بترقی بود۔ بلاوجہ نہیں دنیا داتا داتا کے نعرے لگاتی، وہ جنہوں نے خاک پنجاب میں سجدوں کے بیج بوئے تھے اور آج یہ گلشن میں بہا آئی ہے، اس داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات قرآن و سنت کے سمجھنے کے لیے کتنی ضروری ہیں۔

یہ جو حدیث شریف میں سویا ستر با تو بہ کا لفظ آگیا ہے کہ میں استغفار کرتا ہوں، تو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

یہ نہ سمجھنا کہ کوئی کبیرہ یا کوئی صغیرہ گناہ تھا، تو بہ گناہوں سے نہیں کی جا رہی ہے، تو بہامت کے خیال سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف متوجہ ہونے کو کہا جا رہا ہے۔

چنانکہ مقامات علیہ السلام ہر دم بترقی بود ..... ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات ہر وقت ترقی کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو اس وقت ارب مقامات مل چکے تھے، اگلے منٹ میں اللہ نے ایک اور مقام دیا، اس سے اگلے منٹ میں اللہ تعالیٰ نے اور مقام دیا۔

یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ ہر منٹ میں مقام بڑھایا جا رہا ہے۔

چوں ہر مقام ہر قدمی رسید ..... جب مزید اونچے مقام پر چلے جاتے ہیں،

از مقام فرو تر استغفار می کرد ..... جب اونچے درجے پر پہنچتے ہیں تو پہلے درجے سے استغفار کرنے لگتے ہیں،

یہ تو بہ کا انداز ہے، کوئی بندہ اس حدیث کو آڑ ہٹا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے گناہ نہ چھوڑتا پھرے اور ان کی طرف گناہوں کو منسوب نہ کرے، وہاں گناہ نام کی کوئی چیز نہیں، جہاں کلیم کا مقام ہے تو گناہ وہاں ہی ختم ہو گئے تھے، وہاں بھی صواب سے صواب کی طرف تو بہ ہے، ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو اس سے بھی اگلا مقام ہے کیونکہ جس وقت اللہ تعالیٰ بلند مقام دیتا ہے اور مزید بلند درجے پہ پہنچاتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھوٹے درجے سے تو بہ کرتے ہوئے بڑے درجے کا سفر شروع کر دیتے ہیں۔

جس وقت ایک انسان شان رسالت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے تو اسے کیا ملتا ہے اور اگر نہیں رکھتا تو اس کا بگڑنا کیا ہے، اسے کیا ہوتا ہے؟

## گفتگو میں بے ادبی کا وبال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز یہ تھا کہ آپ جس بیمار کے پاس بھی جاتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ:

لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ..... کوئی حرج نہیں اس سے تو گناہ جھڑ جائیں گے۔

طہور کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری تمہارے گناہ جھاڑنے آئی ہے، اس سے بیمار کو حوصلہ مل جاتا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں میں تاثیر اتنی تھی کہ وہ بندہ صحیح ہو جاتا تھا۔

لَا بَأْسَ ..... کوئی حرج نہیں، کوئی پرالہم نہیں، کوئی مسئلہ نہیں،

طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ..... اس سے سارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

ایک اعرابی کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو وہ عجیب آدمی تھا، اسے پتہ نہیں تھا کہ شان رسالت کے بارے میں کیسے بولنا ہے، آگے سے وہ بول پڑا کہ:

هِيَ حَمِي تَفُورٌ ..... یہ تو بخار ہے جو جوش مار رہا ہے۔

میں مر رہا ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جب وہ یوں بولا تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:



فَنَعَمْ إِذَا ..... ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو پھر ایسا ہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اگر وہ قبول کر لیتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے کہا ہے کہ:  
لَا بُأْسَ ..... کوئی بات نہیں،

تو ٹھیک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہی ہوگا۔  
لیکن وہ بخار سے تنگ تھا، کہنے لگا کہ بوڑھے کو قبر نظر آرہی ہے اور آپ کہتے ہیں  
کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:  
فَنَعَمْ إِذَا ..... اگر تو ایسے کہتا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔

شان رسالت کا جو تقاضا تھا وہ ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا تو اس کی فوراً گرفت ہو گئی۔  
(صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب: عیادة الأعراب،

ج: 5، ص: 2141، رقم الحديث: 5332)

## گستاخی کا انجام

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایک نصرانی نے کلمہ پڑھا، جس وقت اس نے کلمہ  
پڑھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فوراً نوازا اور کاتب وحی بنادیا، اس نے  
سورہ آل عمران بھی لکھی اور سورہ بقرہ بھی لکھی، مگر کچھ لوگوں کو ہیضہ ہو جاتا ہے، وہ  
کہنے لگا کہ:

مَا يَذُرُّنِي مُحَمَّدٌ إِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهُ ..... جو میں لکھتا ہوں اس نبی کو وہ ہی آتا ہے۔  
اسے یہ پتہ نہیں کہ اسے لکھنے کا مقام کس نے دیا ہے اور لکھواتا کون ہے، کہتا ہے  
کہ جو میں لکھتا ہوں وہ ہی یہ نبی جنتا ہے، وہ عیسائی ہو کر مر گیا، عیسائیوں نے

اس کو دفن کیا تو:

لَقَطْنَهُ الْأَرْضُ ..... زمین نے اگل کر ہا ہر پھینک دیا۔

صبح جب عیسائیوں نے دیکھا تو ہا ہر پڑا تھا، تو کہنے لگے کہ:

هَذَا فَعَلَّ مُحَمَّدٌ وَأَصْحَابُهُ ..... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام نے

ہا ہر نکالا ہے کیونکہ بیان کو چھوڑ کر آیا ہے، لہذا انہوں نے اس کو قبر سے ہا ہر نکال دیا ہے۔

حالانکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا تھا۔

انہوں نے قبر کو مزید گہرا کیا، شام کو دفن کر کے چلے گئے، صبح آئے تو پھر ہا ہر پڑا تھا، پھر انہوں

نے کہا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام ہیں جو یہ حرکت کر رہے ہیں۔

تیسری بار بہت گہری قبر کھودی اور اس کو دفن کر کے چلے گئے، صبح کے وقت آئے تو

دیکھا تو ہا ہر پڑا تھا، اب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ مردود گندا اتنا ہے کہ زمین اس کو

پسند نہیں کرتی، وہ بڑے بڑے مجرموں کو قبول کر لیتی ہے مگر اس نے جو بکواس کی تھی

کہ جو میں لکھتا ہوں وہ ہی نبی کو آتا ہے، ان کو اپنے طور پر کچھ نہیں آتا، اس گستاخ

کے اس جملے کی وجہ سے اور تو اور زمین نے بھی اس کو جگہ ندی، زمین بھی اس کو پھینکتی

رہی کہ اس کو بولتے وقت یہ ہوش نہیں تھا کہ یہ شان رسالت ہے، میں کس کے

بارے میں بول رہا ہوں۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: علامات النبوة فی الاسلام،

ج: 3، ص: 1325، رقم الحديث: 3421)

آج بھی ایسے واقعات ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا جا رہا ہے کہ

جو مقام میں نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، ان کے بارے میں بولنا ہو تو

ہزار بار سوچ کو غسل دو پھر ان کے بارے میں بات کرو۔

اگر ادب سے بولیں گے تو کیا ملے گا۔

## چیونٹی کی خوش قسمتی

ایک چیونٹی کو چیونٹیوں کی امامت ملی، اس کا کام کیا تھا، اس کو یہ شان کیسے ملی؟ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آیا تو ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ:

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ ..... اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلے جاؤ،

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ  
تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر بے خبری میں۔

(القرآن الکريم، سورة النمل، رقم السورة: 27، رقم الآية: 18)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چیونٹی کو دیگر چیونٹیوں کی ملکہ بنا دیا، اس کو یہ مقام کیسے ملا؟، کہتے ہیں کہ اس چیونٹی نے ادب نبوت ظاہر کیا تھا، کیوں؟ اس نے عصمت پیغمبر کا عقیدہ بیان کیا۔

کہنے لگی کہ: وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ..... چیونٹیو! ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے ہوئے تم پر قدم رکھیں، ایسا نہیں ہوگا، ہاں بے خبری میں قافلہ اور لشکر ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ کی اس طرف توجہ نہ ہو تو تم ان کے قدموں کے نیچے آ جاؤ۔

اپنی سوچ کا اس چیونٹی نے اظہار کیا کہ اللہ کا نبی گنہگار نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا نبی ظالم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کو ستھری سوچ دیکر باقی چیونٹیوں کا سردار بنا دیا۔

(التفسير الكبير، سورة النمل، رقم الآية: 18، ج: 24، ص: 549)

## خوش قسمت جادوگر

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا آپس میں مقابلہ ہو رہا تھا، اسی مقابلے میں جادوگروں نے کلمہ پڑھ لیا، اس کلمہ پڑھنے کا سبب کیا تھا؟ یہاں پر امام رازی نے اپنی تفسیر میں صوفیاء کا قول لکھا کہ اس کا سبب یہ ہوا تھا: جس وقت آپس میں آمنے سامنے آئے تو جادوگروں سے ایک نیکی ہو گئی، نبی کا ادب ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے نبی کا تھوڑا سا ادب کر بیٹھے تو اس ادب نے ان کا بیڑا پار کر دیا، حالانکہ وہ بڑے مجرم تھے، اللہ تعالیٰ کے دشمن فرعون کے مہمان تھے، اس کو حق ثابت کرنا چاہتے تھے مگر بولتے وقت شان نبوت کا تھوڑا سا لحاظ کیا، کچھ ادب کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمادی، انہوں نے کہا تھا کہ:

يَا مُوسَىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُغْلِبُونَ ..... اے کلیم! مرضی آپ کی ہے یا تو آپ پھینکیں یا ہم پھینکتے ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کا ذکر پہلے کیا، اے کلیم! آپ اپنا عصا پہلے پھینکیں یا ہم رسیاں پھینکتے ہیں۔

ان سے اللہ تعالیٰ کے نبی کا ادب ہو گیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا نام جو انہوں نے پہلے ذکر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ پہلے باری آپ کو یا ہمیں دے دو، چونکہ انہوں نے پیشکش کر دی تھی، اللہ تعالیٰ کے نبی کو مقدم کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے کفر کو نکال کر انہیں ایمان عطا فرمادیا تھا۔

یہ منصب نبوت کے لحاظ سے آداب ہیں، جو شخص ان راستوں پہ چلتا ہے اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جو اکڑتا ہے تو اس کے لیے ہر لحذا مرادیاں ہوتی ہیں۔

اس گفتگو کے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے ہر بندہ اس کا مبلغ ہونا چاہیے، یہ پیغام ہے جس کو تم نے آگے پہنچانا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شان رسالت ہر وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بجاء سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین